ایران کا دیوزاد شاعر

مُلک الشعراء بہآر

جناب ڈاکٹر آفتاب اختر صاحب

صدر شعبۂ فارسی و اُردو، گاندھی کالج۔ شاہجہان پور

قاآنی کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سرزمینِ ایران پر شاعری کا آتشکدہ خاموش ہو چکا ہے اور طبیعتوں میں شعر و سخن کا پرانا ذوق باقی نہیں رہا ہے لیکن ملک الشعراء بہآر کی گرم نوائیوں نے اس خیال کی تردید کر دی اور دنیا پر واضح کر دیا کہ ذوقِ شعر کی چنگاریاں صرف زیر خاکستر ہوئی تھیں بجھی نہیں تھیں۔

ہفت روزہ "تہران مصور" نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شعر و سخن کے استادانِ فن اس امر پر متفق ہیں کہ حافظؔ کے بعد یعنی تقریباً سات سو برس قبل سے بہآر کی وفات تک اتنی استادی، مہارت فن، توانائی، عظمت اور قدر و منزلت کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ وہ آخر دور کے تابندہ ستاروں جامیؔ، ہاتفؔ، صباؔ، سروشؔ اور قاآنیؔ وغیرہ کے درمیان ایک روشن سورج کی طرح تھے جس نے تقریباً نصف صدی تک ایران کے آسمانِ شعر و ادب پر نور افشانی کی ہے

لہ۔ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۱ء۔

ممتاز حسن کا خیال ہے کہ قاآنی کے بعد ایران کی شاعری پر جو ایک حد تک جمود طاری ہو گیا تھا اُسے ملک الشعرا بہار نے توڑا ہے[1]۔ "تہران مصور" کا یہ بھی خیال ہے کہ بہار کو عالی مرتبت بلند پایہ اور بزرگ شاعروں کی صف میں محسوب کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ اُن کا ثانی عہد امروز کے ایران میں تو ملنا مشکل ہی ہے۔ صدیوں پرانی ایرانی تاریخ میں بھی اس کی نظیر مشکل سے ہی ملے گی[2]۔ ناظر زادہ کرمانی نے بہار کا شمار آخری صدیوں میں ایرانی آسمانِ شعر و ادب پر چمکنے والے تابناک اور درخشاں ستارے کی حیثیت سے کیا ہے۔ کرمانی نے خدا کو گواہ بنا کر کہا ہے کہ بہار عصرِ حاضر کے آخری بزرگ ترین و قوی ترین کلاسیکی فارسی شاعر تھے[3]۔ سید عبدالحمید خلخالی نے بہار کا شمار جدید ایران کے صفِ اوّل کے دانشمندوں اور نثر نگاروں میں کیا ہے اور انھیں بزرگ ترین شاعر قرار دیتے ہوئے ملکِ سخن کا بادشاہ بھی قرار دیا ہے[4]۔ ڈاکٹر منیب الرحمان نے بہار کو معاصر شعرائے ایران میں اہم مقام کا مالک قرار دیا ہے[5]۔ اور کہا ہے کہ اُن کے ہموطن انھیں موجودہ صدی کا اہم ترین شاعر سمجھتے تھے[6]۔ صادق سرمد نے انھیں مُلکِ مُلکِ شعر قرار دیا ہے[7]۔ علامہ علی اکبر دہخدا نے سبکِ خراسانی کا بزرگ ترین شاعر کہنے کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ آخری چار پانچ صدیوں میں اس سبک میں اُن کی طرح جودتِ طبع اور ذوقِ سلیم رکھنے والا کوئی شاعر معرضِ وجود میں نہیں آیا[8]۔ خواجہ عبدالحمید عرفانی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بہار صرف اپنی ہی زبان کے موجودہ شاعروں میں سب سے زیادہ

---

[1] ماہِ نو کراچی مارچ ۱۹۵۵ء۔ [2] مورخہ ۲۶ راپریل ۱۹۵۱ء۔ [3] ایران و پاکستان کی ادبی انجمن کے سربراہ ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی نے یہ خیال عرفانی کی کتاب "شرح احوال و آثار ملک الشعرا بہار" میں "اشارہ ای بارزش این کتاب" کے تحت پیش کیا ہے جو فہرست مطالب سے قبل درج ہے۔ [4] تذکرہ شعرائے معاصر ایران، چاپ اول ص ۲۸ [5] پوسٹ وار ورلڈ لٹریچر پیش کنندہ ڈاکٹر برگزیدہ شعر فارسی معاصر ص ۱ [6] یہ خیال شعراء کے تعارف میں ظاہر کیا ہے۔ [7] دیوان اشعار بہار جلد دوم۔ ص ۲۲۵۔ [8] شرح احوال و آثار بہار مصنفہ عرفانی کے ص ۱۱۹ پر یہ اقتباس کسی تفصیل کے بغیر دہخدا کے نام سے منسوب ہے۔

عظیم نہیں تھے بلکہ عصرِ حاضر کے بزرگ ترین شاعر بھی تھے[1]

سعید نفیسی کا خیال ہے کہ بہار بلاشبہ عصرِ حاضر کے عظیم ترین اور دلیر ترین ایرانی شاعر تھے اور وہ تقریباً ۱۳۳۰ء سے شاعری کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ نفیسی نے یہ بھی کہا ہے کہ عوام کو اُن کے اشعار بیشتر زبانی یاد ہیں۔ انھوں نے بہار کو اپنے زمانے کا اور اپنی زبان کا عظیم ترین شاعر قرار دیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ وہ ہر لحاظ سے شاعر تھے۔ اُن کی طبیعت میں لطافت تھی۔ وہ بے حد باذوق تھے اور اچھے برے کی تمیز کرنا خوب جانتے تھے۔ ایرانی ادبیات میں انھوں نے کافی محنت کی تھی۔ یہاں تک کہ پہلوی زبان بھی سیکھ لی تھی اور اس پر کام بھی کیا تھا۔ وہ موجودہ زمانے میں تازہ ترین افکار و خیالات کو قدیم فصیح شعراء کی زبان میں زیادہ فصاحت کے ساتھ پیش کرنے والوں میں اوّلیت رکھتے تھے۔ جس طرح ہر شاعر عمدہ و خراب، بلند و پست اشعار کہا کرتا ہے اُن کے یہاں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن اُن کے عمدہ اشعار کی تعداد دوسرے درجے کے اشعار سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ عمدہ اشعار کی تعداد بھی دوسرے شعراء کے عمدہ اشعار کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ ہے۔ جہاں تک اُن کی عظمت کا سوال ہے کوئی شخص بھی اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ وہ عظیم تھے عظیم رہے عظیم مرے اور مرنے کے بعد بھی عظیم ہی رہیں گے۔ سعید نفیسی نے وثوق سے کہا ہے کہ اُن کی شاعری اُن کا نام اور اُن کا کام ایرانی ادبیات کی تاریخ میں ہمیشہ اہم مقام پر فائز رہے گا[2]۔

ایران کے مشہور شاعر حبیب یغمائی نے بہار کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ایران کے اُن عظیم شاعروں میں تھے جو ایران کے قابلِ فخر ادبی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ایران کے نامور اور تاریخی شعراء کی صف میں بلند مقام پر فائز تھے۔ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ نویں صدی یعنی حافظ شیرازی کے بعد سے آج تک ایسی

---

[1] شرحِ احوال و آثار ملک الشعراء بہار۔ ص ۱۱۱۔ [2] مقالہ بعنوان "مرگِ بہار" مطبوعہ در مجلہ "ماہنامہ اُردی بہشت ۱۳۳۰" ص ۵۔۹۔

مثال نظر نہیں آتی۔ عہد تیموریہ وصفویہ اور قاچاریہ میں سے کوئی شاعر اُن کے مرتبے تک نہیں پہنچتا۔ اُن کے اشعار پختگی میں قدماء کے کلام کے ہم پلہ ہیں اور اُن کے سرمایہ شعر سے مجموعی طور پر لطفِ کلام، ترکیبوں کی دلآویزی و شیرینی ظاہر ہوتی ہے۔ زبان اور محاورے میں مستقبل کی نسلیں اُن سے ضرور متاثر ہوں گی۔ بالکل اسی طرح جیسے آج سعدی کے طرز سے موجودہ زبان وادب متاثر ہوا ہے[1]۔

مجلہ کاظمی نے بہار کی ارفع و اعلیٰ شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ موجودہ صدی میں ایران نے بہار جیسا دہ جامع شاعر پیدا کیا ہے جسکی نظیر اس صدی میں نہیں مل سکتی۔ اس عظیم اور ستیزہ کار شاعر سے مشرق بہت جلد الہام حاصل کرے گا اور اکتسابِ فیض کرے گا۔ یہ امر قابلِ فخر ہے کہ موجودہ صدی نے جس میں سیاسی و اجتماعی ایران کا بھی شمار ہوتا ہے ملک الشعراء بہار جیسے عظیم شاعر کو پیدا کیا ہے[2]۔

بہار کی وفات کے چار روز بعد مجلہ "امیدِ نو" میں ایک مضمون "ضایعہ عظیم در عالم سیاست و ادب" کے عنوان سے شایع ہوا تھا۔ اس مجلہ نے بہار سے متعلق درج ذیل رائے کا اظہار کیا تھا۔

کسی صدی میں بہار کی طرح لوگ ایک بار ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے نوابغ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اُن کی وفات بہت بڑا حادثہ ہے لیکن یہ اس لیے اور بھی عظیم ہے کہ اُن کی اعلیٰ ادبی، علمی اور سیاسی شخصیت پر اظہار رائے کے لیے جامع و مانع الفاظ کی قلت کا احساس ہر ہر قدم پر ہوتا ہے۔ کیونکہ استاد بے نظیر، "سخنور بزرگ" اور "شاعر ارجمند ملی" جیسے روایتی کلمات ہی نظر آتے ہیں جن کا صحیح و غلط استعمال اس سے قبل دوسروں کے لیے بھی ہو چکا ہے۔ اب بہار جیسے عظیم شاعر کے لیے ان کلمات کا استعمال ایک منصف مزاج ادیب

---

[1] مجلہ یغما فروردین ۱۳۳۰ ھ ش ص ۶۔ [2] پاکستان ریویو۔ فروری ۱۹۵۲ء۔

کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ ارباب سخن اور فارسی ادب کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ گذشتہ سات سو برس کے آخر تک بہار جیسا پرُمایہ اور سرشاری و کیفیت سے معمور شاعر سرے سے نظر ہی نہیں آتا۔ یہ دعویٰ بے جا تملق اور مردہ پرستی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں ابھی خاصی مضبوط ہیں۔ بات یہ ہے کہ اگر احتیاط سے کام لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ انوری و سعدی کے زمانے سے اور اگر انتہائی محتاط رہنا ہے تو جامی کے زمانے سے بعد تک بہار کی شاعری جیسی پرقوت شاعری و سخنوری وجود میں نہیں آئی۔ جامی کے عہد سے موجودہ عہد تک کا اگر جائزہ لیا جائے تو صاحب ذوق و استعداد تو بہت ملیں گے لیکن کسی نے خود کوئی چیز ایجاد کی ہو ایسی مثال موجود نہیں۔ کیونکہ لوگ گذشتہ افکار کی نقل کرتے رہے یا شعرائے متقدمین کی تقلید۔ وصال، فرزند اور قاآنی وغیرہ بھی عظیم شاعر تھے لیکن ان میں سے ہر ایک کسی ایک شعبے کا ماہر تھا۔ لیکن جہاں تک بہار کا تعلق ہے انھوں نے مخصوص کلمات، تعبیرات اور ترکیبات کے استعمال، اختراع، ایجاد اور فروغ کے علاوہ جدید مضامین اور عمدہ نکات کے پیش کرنے میں اپنی پوری مہارت صرف کی تھی۔[1]

نیکو ہمت کا خیال ہے کہ بہار کو شعر گوئی میں اتنی مہارت اور استادی حاصل تھی کہ انھوں نے شاعری میں نئے سرے سے تازگی و طراوت پیدا کر دی۔[2]

جہاں تک بہار کی شاعرانہ عظمت اور انفرادیت کا سوال ہے عام طور سے بیشتر ایرانی و غیر ایرانی ادیب، نقاد اور شاعر اس کے معترف ہیں اور عنصری و فرخی اور حافظ و سعدی اور جامی و قاآنی کی صف میں ہی جگہ دیتے ہیں۔ بعض تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ بہر حال اس سے تو انکار ممکن نہیں کہ اُن کے ہم عصروں میں اُن کا مقابل کوئی اور نہیں۔ نقادوں نے اگر انھیں ایک طرف عہد جدید کا کلاسیکی شاعر مانا ہے تو دوسری طرف شعر برائے زندگی کا مبلغ بھی قرار دیا ہے۔ اگر قدما کے طرز کا پیرو بتایا ہے تو جدت فکر اور نوگوئی

---

[1] پنجم اُردی بہشت ۱۳۳۰ ع۔ [2] مجلہ ارمغان۔ پنجم مہر ماہ ۔ ۱۳۳۰ ع ص ۲۴۰۔

تجربات کو موجب فروغ بھی قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ بہار میں آخر وہ کون سی خصوصیتیں تھیں جنھوں نے صف اوّل کے ایرانی شعرا میں انھیں جگہ دی اور عصرِ جدید کے تمام شعرا پر انھیں فوقیت حاصل ہوئی۔ حالانکہ بہار نے بھی جدید قصیدہ، غزل، مثنوی، قطعہ اور رباعی جیسی اصناف ہی کو قدما اور اپنے ہم عصروں کی طرح اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔

بہار کو دراصل جدید شعرا کی فہرست میں ممتاز درجہ دینے کی عام وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ زبان و بیان پر انھیں استادانہ قدرت حاصل تھی اور فنّی لحاظ سے ان کی شاعری میں وہی پختگی تھی جو کلاسیکی شعرا کا طرۂ امتیاز ہے۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے اُن کا دائرۂ انتخاب بہت وسیع تھا اور وہ اکثر ایسے کلمات استعمال کرتے تھے جو قدیم یا متروک ہونے کے باوجود معنویت رکھتے تھے۔[1] اس کے علاوہ وہ جس طرزِ ادا کے مالک تھے وہ شاعر فرخی سیستانی کے بعد کسی دوسرے شاعر کے حصے میں نہیں آئی تھی۔[2] انھیں جذبات کے اظہار میں کامل مہارت حاصل تھی اور اُن کی روایت پرستی جدیدیت کی تبلیغ میں مانع نہیں ہوتی تھی۔ وہ معاصر افکار و مسائل کو پیش کرنے اور اُن کے حل کرنے میں ماہرانہ قدرت رکھتے تھے جس کے ثبوت میں "دماوندیہ" اور "جغد جنگ" کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان میں بہار نے کلاسیکی انداز کے باوجود لکیر کا فقیر بنے رہنا پسند نہیں کیا۔[3]

بہار کی خوبی یہ بھی ہے کہ اُن کی شاعری اگرچہ بیشتر روائتی اسلوب کی پابند ہے لیکن اُن کی چند نظمیں اسلوب کے لحاظ سے بالخصوص قوافی کی ترتیب کے لحاظ سے یورپی شاعری کی تقلید میں بے حد کامیاب ہیں۔ اُن کی مشہور نظم "شباہنگ" کو اسی سبب بلند مقام حاصل ہے۔[4]

---

[1] جدید فارسی شاعری۔ منیب الرحمان۔ ص ۱۸۔ [2] ممتاز حسین۔ مجلہ ماہِ نو کراچی، مارچ [illegible]

[3] پوسٹ رِوولیوشن پرشین ورس۔ منیب الرحمان۔ ص ۳۲۔ [4] جدید فارسی شاعری۔ منیب الرحمان۔ ص ۱۷۔

بہار کی عظمت و انفرادیت کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ انھوں نے شاعری کے تمام اصناف سخن پر یکساں قدرت سے طبع آزمائی کی ہے اور کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جہاں اپنی عظمت و شخصیت کا اثر نہ ڈالا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بہار نے فارسی شاعری کے خزانے میں بلند خیالی تازہ اصطلاحات اور نادر تشبیہات کا بیش بہا اضافہ کیا ہے[1]

بہار کو شاعری کی تمام طرزوں پر عبور تھا۔ اُن کے وہ شاہکار ہیں جن میں انھوں نے اپنی طبیعت کی جولانی دکھائی متنوع اور کثیر ہیں۔ بہت سے ایسے موضوعات زیر فکر رہے جن میں جولانیِ طبع کے دریا بہا دیئے۔ سیاسی، اخلاقی، اجتماعی اور مذہبی تمام موضوعات کو مرکزِ فکر و نظر بنایا۔ اپنے مطالب کو نہایت مضبوط، پُر جوش اور پُر کشش انداز میں پیش کیا۔

بگلینہ کاظمی نے کہا ہے کہ بہار کی شاعرانہ شخصیت کی بلندی محض اُن کے تنوع اور شعری جامعیت ہی پر منحصر نہیں بلکہ اس کا انحصار اُن کی شاعری کی لطافت، شیرینی اور قدرتِ شعرگوئی پر بھی ہے۔ اسی قدرت نے انھیں موجودہ بلند مقام تک پہنچایا ہے[2]

بہار کی عظمت و انفرادیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کو سماجی، وطنی اور سیاسی تحریکوں سے علاحدہ نہیں رکھا بلکہ اُن کے عمق میں اُتر کر گہرائیوں میں شناوری کی اور قومی، سیاسی اور سماجی شعور و ادراک حاصل کر کے اپنی شاعری کو وطنی، سیاسی اور سماجی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔ انھوں نے کبھی اپنی شاعری کے توسط سے اپنے ہم وطنوں کی جراحتوں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی اور کبھی اُن کے زخموں کو اس لیے کریدا بھی تاکہ عوام کو زخموں کی شدت و تکلیف اور اُن کے پہنچانے والوں کی شقی القلبی کا احساس ہو جائے اور وہ اُن ظالموں سے اپنا انتقام لینے کے لیے متحد و آمادہ ہو سکیں۔

بہار نے اپنی شاعری کو سیاسی رنگ دے کر وطن پروری کے جذبات کی ترجمانی کی تھی اور اپنی قوتِ تخیل کو محض خیالی و وہمی فضاؤں میں پرواز کے لیے وقف نہیں کیا تھا۔

---

[1] شرح احوال و آثار ملک الشعراء بہار مصنفہ عرفانی ص ۱۸۰۔ [2] پاکستان ریڈیو، فروری ۱۹۵۱ء۔

ایران کو اغیار کے تسلط اور دستبرد سے نجات دلانا ہی اُن کی نظر میں مقدم تھا۔ اس دور میں ملکی حکمرانوں کی کمزوری کے سبب ایران پر طاقتور پڑوسیوں کی طرف سے جو مظالم کیے جارہے تھے وہ بہارؔ جیسے حسّاس شاعر کو بے چین کرنے کے لیے کافی تھے۔ قدرت نے اُن کے قلم کو زبان عطا کی تھی اور زبان کو قلم۔ انھوں نے شاعری کے ذریعے سے اپنی حب الوطنی کا خوب مظاہرہ کیا۔ ایران اور ایرانی قوم کی بے دست و پائی اور مظلومیت کا بڑے زور شور سے مرثیہ پڑھا۔ لیکن رضا شاہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جب بہارؔ نے اغیار کی دست درازیوں میں نمایاں کمی دیکھی اور کسی حد تک اس کی حد بندی ہوتے ہوئے دیکھی تو "چہار خطابہ" جیسی مشہور مثنوی کی تخلیق کی جو اُن کی شاعرانہ عظمت میں ہمیشہ چار چاند لگاتی رہے گی۔

بہارؔ کی شاعری میں جس قسم کی سیاسی تبلیغ کی گئی ہے لوگ اُس سے متفق نہ ہوں یا اُن کے سیاسی مسلک اور سیاسی خدمات کے معتقد نہ ہوں لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ اُن کی شاعرانہ سحر کاری و فنکاری کے معترف نہ ہوں۔ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اُن کے شاعرانہ مرتبہ کی عظمت کا قائل نہ ہو۔ اگر اُن کے بلند مرتبہ اشعار یا اُن کے کلاسیکی انداز کی صناعی اور فنکارانہ مہارت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو وہ ایرانی شاعری کی دنیا میں ایک پیغامبر اور نئے مکتبِ فکر و نظر کے حامی و مبلّغ ہی نظر آئیں گے۔

حبیبؔ یغمائی نے بہارؔ کے سیاسی مرتبے کو ان کے ادبی مرتبے سے اس لیے کمتر قرار دیا ہے کہ وہ میدانِ ادب میں صدیوں تک ایرانی اسرار و رموز اور علم و دانش کی قلمرو پر بادشاہت کریں گے۔[1]

بہارؔ کی شاعرانہ عظمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگرچہ انھوں نے اپنی زندگی میں مختلف لوگوں کی مخالفتوں کا سامنا کیا تھا لیکن اُن کے بڑے سے بڑے سیاسی حریف

(باقی صفحہ ۳۴۸ پر)

[1] مجلہ یغما فروردین ۱۳۳۴ ش۔ ص ۶۔